١۔ شیعہ مذہب از ڈاکٹر ڈونالڈسن
٢۔ اسلام اور فلسفۂ اخلاق از ڈاکٹر ڈونالڈسن
٣۔ الغزالی از ڈاکٹر زویمر
٤۔ اسلامی الٰہیات کی ابتداء اور اس کا ارتقاء از ڈاکٹر میکڈانلڈ
٥۔ اسلامی الٰہیات از ڈاکٹر ٹیائٹن
٦۔ اسلام میں جبر و اختیار کی بحث از منٹگمری واٹ
٧۔ مآخذ فقہ اسلامی از ڈاکٹر شاخت
٨۔ عقائد اسلام از ڈاکٹر وینسنگ
٩۔ اسلام میں جدید رجحانات از پروفیسر گب
١٠۔ خلافت۔ عروج و زوال از ولیم میور وغیرہ وغیرہ۔

لیکن ہم اپنی قوم کے مسائل سے بھی بے خبر ہیں۔ ہمیں یہ تو معلوم ہے کہ افلاطون اور ارسطو نے کیا کہا؟ لیکن یہ معلوم نہیں کہ کانٹ اور ہیگل کیا کہتے ہیں؟

(٢) تبلیغی نظام کا قیام اور اس کے لئے مرکزی تبلیغی درس گاہ کی تاسیس
(٣) اسلام کی حمایت کے لئے دار التصنیف کا قیام

اب میں ان امور سہ گانہ پر اپنے خیالات اور اپنی تجویز پیش کرتا ہوں۔

١۔ درس نظامیہ میں ترمیم

واضح ہو کہ یہ درس آج سے ڈھائی سو سال پہلے مدون کیا گیا تھا۔ بہت ممکن ہے کہ یہ نصاب تعلیم اس زمانے کی ضروریات کے مطابق مدون کیا گیا ہو۔ لیکن اب دنیا بالکل بدل چکی ہے اس لئے یہ نصاب موجودہ زمانے کی ضروریات کو پورا نہیں کر سکتا۔ اس نصاب میں جو نقائص مجھے نظر آتے ہیں ان کو ذیل میں درج کرتا ہوں:-

(١) عربی مدارس سے جو طلباء دس سال کے بعد فارغ التحصیل ہو کر نکلتے ہیں۔ وہ نہ عربی زبان میں گفتگو کر سکتے ہیں اور نہ کوئی مضمون لکھ سکتے ہیں (الا ماشاء اللہ) اس کا ایک ثبوت یہ ہے کہ جو طلباء درس نظامیہ ختم کرنے کے بعد پنجاب یونیورسٹی کے مولوی فاضل کے امتحان میں شریک ہوتے ہیں۔ ان میں سے نوے فیصدی ترجمہ اور جواب مضمون کے پرچہ میں فیل ہو جاتے ہیں۔

(٢) اس نصاب میں نہ تاریخ اسلام داخل ہے، نہ جغرافیہ عالم، نہ سائنس، نہ معاشیات، نہ سیرت النبی (صلی اللہ علیہ وسلم)

اور نہ انگریزی ادب، اس کا نتیجہ یہ ہے کہ ہمارے عربی مدارس کے فارغ التحصیل حضرات کو:۔

(ا) نہ تو خالدؓ و طارق، محمد بن قاسم کے کارناموں سے آگاہی ہوتی ہے۔

(ب) نہ یہ علم ہوتا ہے کہ رٹہ بینڈ آڈ، یوگنڈا، فجی، گیانا اور نائیجریا کہاں[1] واقع ہیں

(ج) نہ یہ علم ہے کہ آئنسٹائن و وہائٹ ہیڈ، جیمس جینز، ایڈنگٹن، برٹرینڈ رسل، لائڈ مارگن، کامپٹن، اور دوسرے سائنسدانوں نے کیا نظریات پیش کئے ہیں۔

(د) نہ یہ خبر ہے کہ کارل مارکس نے کس قسم کا معاشی نظام پیش کیا ہے۔

(ہ) نہ یہ واقفیت ہے کہ کانٹ، ہیگل، شوپن ہاور، نیٹشے، برگساں، ولیم جیمس، جان ڈیوی، سنٹیانا، الگزینڈر، برنیڈلے، کروچے، رواٹیں پیٹرس اور دوسرے حکماء نے فلسفہ میں کیا موشگافیاں کی ہیں۔

(۳) منطق کی کتابیں ضرورت سے زیادہ ہیں اور اس پر طرہ یہ ہے کہ اتنی کتابیں پڑھ لینے کے بعد بھی نوے فیصدی طلباء کو فن سے مناسبت پیدا نہیں ہوتی۔ اکثر طلباء حمد اللہ اور قاضی مبارک کے مشکل مقامات کو بالکل نہیں سمجھتے۔

(۴) صرف و نحو، معانی و بیان، منطق و فلسفہ یہ سب مقصود بالعرض ہیں اور مقصود بالذات قرآن حکیم ہے۔ لیکن افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ کتاب اللہ کے پڑھنے پڑھانے پر سب سے کم توجہ صرف کی جاتی ہے۔ درس نظامیہ ختم کرنے کے بعد ایک طالب علم، حدیث، فقہ اور علم کلام سے تو کسی حد تک واقف ہو جاتا ہے۔ لیکن وہ قرآن حکیم سے اتنا بھی واقف نہیں ہوتا کہ اسے دنیا کے سامنے ایک مکمل دستور حیات کی حیثیت سے پیش کر سکے۔

واضح ہو کہ آج سے سو سال پہلے تک جو لوگ درس نظامیہ پڑھ کر نکلتے تھے وہ عموماً قاضی، مفتی یا صدر الصدور بن جاتے تھے۔ اور انہیں زندگی میں اتنی فرصت بھی نصیب ہو جاتی تھی کہ بطور خود تفاسیر کا مطالعہ کر سکیں۔ چنانچہ میں نے اپنے بعض اساتذہ سے یہ سنا ہے۔ کہ اس نصاب کا مقصد یہ تھا کہ طالب علم میں اتنی صلاحیت پیدا کر دی جائے، کہ فارغ ہونے کے بعد وہ بطور خود جس علم کا چاہے مطالعہ کر سکے۔ لیکن اب صورت حال بالکل بدل چکی ہے۔ جو لوگ عربی مدارس سے فارغ ہو کر نکلتے ہیں وہ عموماً فکر معاش میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ نہ انہیں اتنی فرصت نصیب ہوتی ہے کہ بطور خود تفاسیر کا مطالعہ کر سکیں اور نہ اتنی استطاعت حاصل ہوتی ہے کہ تفاسیر خرید سکیں۔ اب صورت حال یہ ہے کہ عربی مدارس کے فارغ التحصیل حضرات کو

(ا) نہ سرکاری دفاتر میں کوئی معقول ملازمت مل سکتی ہے۔ کیونکہ وہ انگریزی نہیں جانتے۔

(ب) نہ غیر سرکاری اداروں میں جگہ مل سکتی ہے کیونکہ وہ شارٹ ہینڈ، ٹائپ اور بک کیپنگ نہیں جانتے۔

(ج) نہ کالجوں میں پروفیسری مل سکتی ہے کیونکہ وہ ایم اے نہیں ہوتے۔ اکبر الہ آبادی نے اس صورت حال کا نقشہ ان الفاظ کھینچا ہے:۔

---

[1] واضح ہو کہ یہ نام میں نے دانستہ لکھے ہیں اور اس کی وجہ یہ ہے کہ آج ان تمام مقامات میں احمدی حضرات، احمدیت کی تبلیغ کر رہے ہیں۔

کچہریوں میں ہے پرسش گریجویٹوں کی — سڑک پہ مانگ ہے تیلیوں کی اور میڈوں کی
نہیں ہے قدر تو بس علم دین و تقویٰ کی — خرابی ہے تو فقط شیخ جی کے بیٹوں کی

لے دے کے ان کے لئے دو صورتیں اس زمانہ میں باقی رہ جاتی ہیں۔

(ا) یا مسجدوں میں امامت کریں۔ لیکن امامت کے لئے علم دین اتنا ضروری نہیں ہے جتنی خوشامد ضروری ہے اور یہ فن بہت مشکل سے حاصل ہوتا ہے۔

(ب) یا مولوی فاضل پاس کر کے کسی اسکول میں عربک ٹیچر ہو جائیں۔

اندریں حالات منطق، فلسفہ قدیمہ اور علم کلام سے ان لوگوں کو کوئی خاص فائدہ حاصل نہیں ہوتا۔ اس لئے معقولات کے نصاب پر نظر ثانی کی اشد ضرورت ہے۔

(۵) اگر فلسفہ پڑھانا ضروری ہے تو فلسفہ قدیمہ کے ساتھ ساتھ فلسفہ جدیدہ بھی پڑھانا چاہیئے۔ اور فلسفہ سے بڑھ کر سائنس کا مطالعہ ضروری ہے تاکہ ہمارے عربی مدارس کے فارغ التحصیل حضرات کو یہ معلوم ہو سکے کہ اس وقت دنیا کہاں پہنچ چکی ہے۔

(۶) علوم جدیدہ سے ناواقفیت کا ایک افسوس ناک نتیجہ یہ ہے کہ جب عربی مدارس کے فارغ التحصیل اصحاب، بطلیموس، فرفوریس، میرزاہد، ملا جلال، غلام یحییٰ، تفتازانی، جرجانی، باقلانی اور دوانی کا ذکر کرتے ہیں۔ تو موجودہ زمانے کے تعلیم یافتہ لوگ چونکہ ان علماء سے واقف نہیں ہیں اس لئے ان حکماء کے خیالات کو کوئی وقعت نہیں دیتے۔ اور جب جدید تعلیم یافتہ طبقہ، ان علماء کے سامنے جدید حکماء کے خیالات پیش کرتا ہے تو علماء نہ ان پر تنقید کر سکتے ہیں۔ اور نہ ان کے اعتراضات کا جواب دے سکتے ہیں۔

(۷) جس وقت درس نظامیہ مدوّن کیا گیا تھا۔ اس وقت مسلمانوں کا مذاق متکلمانہ تھا۔ لیکن اب لوگوں کو علم کلام کے مسائل سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ ان کے بجائے آجکل لوگوں کو معاشی، سیاسی، عمرانی اور اقتصادی مسائل سے دلچسپی ہے۔ یہ جزء لایتجزیٰ کا نہیں بلکہ ایٹم اور ہائیڈروجن بم کا زمانہ ہے!

اگر علماء یہ چاہتے ہیں کہ وہ موجودہ دور میں مسلمانوں کی رہنمائی کا فرض انجام دیں۔ تو انہیں اپنے نصاب تعلیم میں بنیادی تبدیلیاں کرنی لازمی ہیں۔ میری رائے میں علماء کا کام صرف یہی نہیں ہے کہ وہ مسلمانوں کو فقہ کے مسائل بتا سکیں۔ بلکہ ان کا سب سے پہلا فرض یہ ہے کہ مسلمانوں کے اندر ذہنی اور علمی انقلاب برپا کر سکیں۔ اور موجودہ زمانہ میں اسلام کو ایک ضابطہ حیات کی حیثیت سے پیش کر سکیں اور جدید مسائل میں مسلمانوں کی رہنمائی کر سکیں اور ڈارون، ہکسلے، اسپنسر، برگساں، نیٹشے، کارل مارکس، فرائڈ، ایڈلر اور یونگ کے نظریات پر تنقید کر کے ان کے مقابلہ میں اسلامی اصول کی برتری ثابت کر سکیں۔ ظاہر ہے کہ وہ یہ کام اسی وقت کر سکتے ہیں۔ جب وہ ان حکماء کے نظریات کا مطالعہ کریں۔

میرا خیال ہے کہ علماء اس تلخ حقیقت سے بے خبر نہیں ہیں کہ آج انگریزی داں طبقہ پر ان کا کوئی اثر نہیں ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ طبقہ جن مسائل سے دوچار ہے۔ علماء ان مسائل سے یکسر ناآشنا ہیں۔ آج ایک مسلمان نوجوان جب کالج میں مذکورہ بالا حکماء کے نظریات کا مطالعہ کرتا ہے۔ تو اس کے دل میں خدا، روح، معاد بلکہ نفس مذہب سے متعلق شکوک اور شبہات پیدا ہو جاتے ہیں۔ بائبز، ہیوم، شوپن ہار، نیٹشے، کانگٹ، مِل، مارکس، میک ٹیگرٹ، رسل، ڈلیٹا، بوشنر، فیورباخ، ہیکل، رینان، اسپنسر اور سنٹیانا — یہ

سب حکما یا منکر اور ملحد ہیں یا لا ادری، ابھی آج کل انہی حکماء کے افکار و نظریات کالجوں میں پڑھائے جاتے ہیں۔ چونکہ علماء ان حکماء کی تصانیف سے نا آشنا ہیں۔ اس لئے انگریزی دان طبقہ کی تسلی نہیں کر سکتے۔

لہٰذا درس نظامیہ سے قدیم فلسفہ کو خارج کر کے جدید فلسفہ اور سائنس نصاب میں داخل کرنا لازمی ہے۔

جب چوتھی صدی ہجری میں فلسفۂ یونان کا سیلاب اسلامی ملکوں میں آیا تو اس زمانے کے علماء نے فیثا غورث، بطلیموس الشمیکی ارسطو، افلاطون، افلوطین، فرفریوس، جمبلیقوس، اقلیدس اور دوسرے حکماء کی تصانیف کا مطالعہ کیا اور ان کے افکار کے مقابلہ میں اسلام کے اصولوں کی برتری ثابت کی۔ علم کلام اسی کوشش کا نام ہے۔

لہٰذا اب جبکہ چودھویں صدی ہجری میں فلسفۂ مغرب کا سیلاب اسلامی ملکوں میں بے تحاشا چلا آ رہا ہے۔ علماء کا فرض ہے کہ وہ جدید فلسفہ کا مطالعہ کریں۔ اور اس کے مقابلہ میں نیا علم کلام ایجاد کریں۔ میبذی، صدرا اور شمس بازغہ پڑھ کر کوئی شخص موجودہ زمانے کے حکماء کے خیالات کی تردید نہیں کر سکتا۔

یہ صورت حال کس قدر افسوس ناک ہے کہ مسلمان قوم کے نوجوان تو جدید فلسفہ اور جدید سائنس پڑھ رہے ہیں۔ لیکن علماء ابھی تک دو ہزار سال پرانا فلسفہ لئے بیٹھے ہیں۔ آج علماء کو بطلیموسی نظام کے ساتھ ساتھ کا پرنیکی نظام کا بھی مطالعہ کرنا چاہیئے۔ آج کی دنیا بطلیموس اور فرفوریس سے بہت آگے بڑھ گئی ہے۔ بلکہ آج تو انیسویں صدی کے نظریات بھی تقویم پارینہ بن گئے ہیں۔ افلاطون اور ارسطو کا تو ذکر ہی کیا ہے۔ آج تو کانٹ اور ہیگل کا فلسفہ بھی پرانا ہو چکا ہے۔

یہ جو کچھ میں نے عرض کیا ہے، یہ میرے گذشتہ تیس سال کے مسلسل غور و فکر کا نچوڑ ہے۔ جب میں یہ دیکھتا ہوں کہ دنیا کی ترقی یافتہ قومیں جو آج ربع مسکوں پر حکمران ہیں، آئے دن اپنے نصاب و نظام تعلیم میں مناسب حال تبدیلیاں کرتی رہتی ہیں۔ بقول اقبال ؎

نشان یہی ہے زمانہ میں زندہ قوموں کا!
کہ صبح و شام بدلتی ہیں ان کی تقدیریں

لیکن مسلمان علماء وہی دو سو سال پرانا نصاب پڑھ رہے ہیں۔ انہیں مطلق علم نہیں کہ حکیم آئینسٹائن، آلیور لاج، جگدیش بوس، ڈامن، روذرفرڈ، لائڈ مارگن، ایڈنگٹن، جیمس جینز اور دوسرے سائنسدانوں کے نظریات نے دنیائے علم میں کس قدر زبردست انقلاب برپا کر دیا ہے۔

نصاب میں تبدیلی کا خیال صرف میرے ہی دماغ میں نہیں ہے۔ قوم کا سمجھدار طبقہ اس وقت اس تبدیلی کا دل سے خواہاں ہے چنانچہ پاکستان کے موقر جریدہ "نوائے وقت" نے اپنی ۲۰ مئی کی اشاعت میں "نئے دار العلوم" کے عنوان کے تحت یہ لکھا ہے:۔

"ہم ایک مرتبہ پھر اپنے قومی رہنماؤں، ماہرین تعلیم اور ارباب حکومت سے عرض کریں گے۔ بلکہ ان پر زور دیں گے کہ پاکستان میں ایک بلند پایہ دار العلوم قائم کیا جائے جو جدید مغربی تعلیم اور اسلامی علوم دونوں سے بہرہ ور گریجویٹ پیدا کرے۔ اس دار العلوم کے فارغ التحصیل ہمارے کالجوں میں مذہبی تعلیم دینے والے استاد اور ہمارے شہروں میں ہماری مساجد کے امام ہوں گے۔ اگر یہ اعلیٰ تعلیم یافتہ ہوں گے اور انہیں معقول تنخواہ دی جائے گی۔ تو بلا شبہ سوسائٹی ان کی عزت کرے گی۔"

میرے لئے انتہائی خوشی کا مقام ہے کہ پاکستان کی جماعت اہل حدیث نے اپنے مدارس کے نصاب تعلیم میں نہایت خوش آئند

اور ضروری تبدیلیاں کر لی ہیں۔ چنانچہ ۳ اپریل ۵۹ء کے الاعتصام میں جامعہ سلفیہ کا جدید نصاب تعلیم شائع کر دیا گیا ہے۔ اس کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ نصاب کے علاوہ طریق تعلیم میں بھی تبدیلی کی گئی ہے اور انگریزی زبان کی تعلیم بھی نصاب میں شامل کی گئی ہے۔ جس کا فائدہ یہ ہو گا کہ جب ایک طالبعلم یہ نصاب ختم کرے گا تو اسے اس قدر انگریزی آ جائے گی کہ وہ انگریزی میں فلسفہ، سیاسیات، معاشیات اور عمرانیات کا مطالعہ کر سکے۔ اس نصاب میں قدیم اور جدید علوم کا خوشگوار امتزاج نظر آتا ہے۔ اور آج اسی کی اشد ضرورت ہے۔

میں علماء سے التماس کروں گا کہ وہ اس نصاب کو بغور ملاحظہ فرمائیں اور اسی نہج پر اپنا نصاب مدّون فرمالیں۔ صرف اتنی گذارش کروں گا۔ کہ جماعت اہل حدیث کا یہ نصاب ہشت سالہ ہے اس میں دو سال کا اور اضافہ کر لیا جائے۔ اور اس مدّت میں درجۂ اختصاص کی تکمیل کرا دی جائے۔ درجۂ اختصاص یا درجۂ فضیلت میں حسب ذیل شعبے قائم کئے جائیں۔ فاضل تفسیر، فاضل حدیث، فاضل فقہ، فاضل ادب، فاضل آلہیات اور فاضل معقولات۔ فی الحال ان ضروری معروضات پر اکتفا کرتا ہوں۔ مجوزہ نصاب تعلیم آئندہ اشاعت میں پیش کروں گا۔

۲۔ ایک مرکزی دار التبلیغ کا قیام

یہ ایک نہایت تلخ اور بغایت المناک حقیقت ہے کہ اس وقت دنیا کے کسی اسلامی ملک میں کوئی ایسا مدرسہ یا ادارہ قائم نہیں ہے۔ جہاں غیر مسلموں کو اسلام سے روشناس کرنے کے لئے مبلغین تیار کئے جاتے ہوں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانان عالم کے دماغ سے تبلیغ و اشاعت اسلام کا خیال بالکل نکل چکا ہے شاید اسی لئے اقبالؔ نے کہا تھا ؎

بجھی عشق کی آگ اندھیر ہے
مسلماں نہیں راکھ کے ڈھیر ہے

اس وقت صرف مغربی پاکستان میں عیسائیوں کے رومن کیتھولک فرقہ کے تین تبلیغی کالج قائم ہیں۔ اور پراٹسٹنٹ فرقہ کا ایک تبلیغی کالج موجود ہے۔ جائے عبرت ہے کہ مغربی پاکستان کے ۴ لاکھ عیسائیوں نے تو ایک چھوڑ چار چار تبلیغی کالج قائم کر دیئے اور ہم ۸ کروڑ مسلمان ایک تبلیغی درس گاہ بھی قائم نہ کر سکے!

اب وقت آ گیا ہے کہ اس غفلت کی تلافی کی جائے۔ اگر حضرات علمائے کرام اس عاجز کو یہ لکھ بھیجیں کہ ہم نے بعض مصالح خصوصی کی بنا پر فی الحال تبلیغ و اشاعت اسلام کے مقدس فریضہ کو "سرد خانہ" میں رکھ دیا ہے تو میں آئندہ اس قسم کی استدعا ان کی خدمت میں ہرگز پیش نہیں کروں گا۔ لیکن اگر یہ فریضہ ساقط نہیں ہوا ہے تو پھر انہیں اپنے باہمی اختلافات اور فروعی نزاعات کو بالائے طاق رکھ کر اوّلین فرصت میں ایک مرکزی مدرسۃ المبلغین قائم کر دینا چاہیئے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ تمام پاکستان کے نمائندہ علماء کا وفد حکومت سے مل کر مالی امداد حاصل کرے۔ اور کراچی یا لاہور میں یہ درس گاہ قائم کر دی جائے۔ قائد اعظم میموریل فنڈ سے بلا وقت بلا دشواری کئی لاکھ روپے کی امداد مل سکتی ہے۔

مگر ایک بات عرض کر دوں۔ اگر ہم غیر مسلموں کو اسلام سے روشناس کرنے اور ان کو دین حق کی دعوت دینے کے لئے کوئی